

خليفة کے انتخاب کا طریقہ

(فاروق اعظمؓ کی بے مثال راہنمائی)

ڈاکٹر محمد ذکی

اسلام کے سیاسی نظام کی اساس خلافت پر ہے، یعنی اسلامی قوانین کو نافذ کرنے اور امت کے امور کی نگرانی اور اس کی رہنمائی کرنے کے لئے ایک امیر کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ بتاتی ہے کہ انتہائی نادر و نادر کمالات میں بھی مسلمانوں نے اس کے تقاضے پورے کئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت کی ذمہ داریاں حضرت ابو بکرؓ نے سنبھالیں۔ صدیق اکبرؓ کے بعد یہ کام حضرت عمر فاروقؓ کے سپرد ہوا۔ انھوں نے جس حد و خوبی کے ساتھ یہ کام انجام دیا وہ دنیا پر روشن ہے۔

فاروق اعظمؓ کے شاندار کارناموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے خلیفہ کے انتخاب کا ایک نہایت عمدہ اور مناسب حال طریقہ بنا دیا، اس پر جس طرح عمل درآمد ہوا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے، اور آج بھی ہمارے لئے مشعلِ راہ بن سکتا ہے۔

فاروق اعظم اور مسئلہ خلافت

یوں تو اپنے مہدی میں حضرت عمرؓ اس مسئلہ پر اکثر سوچتے رہتے تھے کہ ان کے بعد خلافت کا بار کون کون اٹھائے گا۔ اس سلسلہ میں کئی حضرات پر نظر پڑتی تھی لیکن مختلف وجوہ کی بنا پر آپ کسی کے حق میں قطعی فیصلہ نہیں کر پاتے تھے۔ لیکن جب ایک مجوسی غلام فیروز (جس کی کنیت ابو لؤلؤ تھی) نے آپ پر قاتلانہ حملہ کر دیا اور سب سمجھ گئے کہ آپ جاں بزن ہو سکیں گے تو لوگوں نے اصرار کیا کہ آپ خلافت کے مسئلہ کو طے کر دیں۔

نامزد کرنے کے بارے میں فاروق اعظم کی رائے

طبری کی روایت ہے کہ جب آپ سے کہا گیا کہ آپ کسی کو اپنا جانشین مقرر کریں تو آپ نے فرمایا: میں کس خلیفہ مقرر کروں؟ اگر ابو عبیدہؓ زندہ ہوتے تو میں انھیں خلیفہ مقرر کرتا، اگر میرا پروردگار (قیامت کے دن) مجھ سے باز پرس کرنا تو میں جواب دیتا "میں نے تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: ابو عبیدہ اس امت کے امین ہیں۔"

اگر ابو عبیدہ کے آزاد کردہ غلام سالم زندہ ہوتے تو میں انھیں خلیفہ مقرر کر سکتا تھا۔ اگر میرا رب ان کے بارے میں سوال کرنا تو میں عرض کرتا: میں نے تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ سالم اللہ تعالیٰ سے بہت محبت کرتے ہیں۔

پھر کسی نے آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کا نام پیش کیا، اس پر آپ نے فرمایا کہ میں کیسے اس شخص کو خلیفہ بنا سکتا ہوں جو اپنی بیوی کو (صحیح اور شرعی) طلاق دینے سے عاجز رہا ہو؟ ہمارے خاندان کا تمہارے (سیاسی) کاموں سے کوئی تعلق نہیں رہے گا میں نے خود اپنے لئے یہ منصب پسند نہیں کیا جو میں اپنے خاندان کے کسی فرد کے لئے اس کی تمنا کروں گا اگر یہ خلافت اچھی ہے تو ہم نے اس (کی خیر و برکت) حاصل کر لی ہے اور اگر یہ بری ہے تو عمر کے خاندان کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کے ایک فرد سے اس کا محاسبہ ہو اور صرف اسی سے امت محمدی کے کاموں میں جواب طلب کیا جائے..... مزید فرمایا میں اگر کسی کو خلیفہ نامزد کروں تو (بھی میرے لئے صحیح ہوگا اس لئے کہ) مجھ سے بہتر شخصیت (ابو بکرؓ) نے خلیفہ نامزد کیا تھا اور اگر میں کسی کو نامزد نہ کروں تو (بھی غلط نہ ہوگا اس لئے کہ) مجھ سے بہتر شخصیت (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا۔

مجلس شوریٰ کی تشکیل

بہر حال اس وقت کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے حضرت عمرؓ نے یہ طے کیا کہ چھ اشخاص

آپس میں مشورہ کر کے ایک کو خلیفہ مقرر کر لیں۔ ان چھ حضرات کے نام یہ ہیں عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمنؓ بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، زبیر بن العوامؓ اور طلحہ بن عبید اللہؓ۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ تمام حضرات خلافت کے اہل تھے اور اس کی وجہ خود انہوں نے ہی بیان فرمادی تھیں، جو یہ ہیں:-

(۱) یہ سب حضرات عشرہ مبشرہ میں شامل تھے، یعنی جنہیں اسی دنیا میں جنت کی بشارت دے دی گئی تھی۔

- (۲) آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے زندگی بھر خوش اور مطمئن رہے۔
- (۳) ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی تعلق تھا۔
- (۴) یہ اس وقت امت مسلمہ کے سزاوار درجہ تھے۔

عمل درآمد کی صورت

آپ نے تاکید فرمائی کہ میری موت کے بعد اس مشورہ پر عمل درآمد شروع ہو۔ تین دن کے اندر اندر فیصلہ ہو جانا چاہئے، حضرت طلحہؓ اس وقت مدینہ میں موجود نہیں تھے۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر تین دن کے اندر آجائیں تو مشورہ میں شریک ہوں گے ورنہ ان کا انتظار نہ کیا جائے۔ اس دوران حضرت صہیبؓ نماز میں امامت کرتے رہیں گے۔ حضرت ابو طلحہؓ انصاری کے سپرد یہ کام کیا کہ پچاس انصار کو لے کر مجلس شوریٰ کو آمادہ کریں کہ وہ کارروائی شروع کر دیں، اور پہرہ دیتے رہیں اور کسی کو اندر نہ جانیں دیں، اور ان سے ملنے نہ دیں۔ حضرت مقدادؓ بن اسود اور صہیبؓ بھی اس کام میں مدد کریں۔

اختلاف رائے کی صورت میں فیصلہ کس طرح ہو؟

حضرت عمرؓ اس بات کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ انتخاب کے مسائل میں اختلاف رائے کا امکان تھا اس کا انتظام یہ کیا کہ:

(۱) اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ کو شریک مجلس کر دیا کہ مشورہ دے سکیں لیکن وہ خلیفہ نہیں بنائے جائیں گے۔ (۲) فیصلہ کثرت رائے پر ہوگا۔ (۳) اگر پانچ متمفق ہو کر ایک شخص کا انتخاب کریں اور ایک شخص مخالف ہو تو اس کا سرتلوار سے قلم کر دیا جائے گا۔ (۴) اگر چار متمفق ہوں اور دو مخالف ہوں تو دونوں کی گردنیں اڑادی جائیں گی۔ (۵) اگر تین افراد ایک شخص کے انتخاب پر متمفق ہوں اور تین افراد دوسرے شخص پر متمفق ہوں تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما انہما نہیں جس کے حتماً میں یہ فیصلہ کریں وہی منتخب کر لیا جائے لیکن اگر ان کے فیصلہ کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر ان افراد کی حمایت کی جائے جن میں عبدالرحمن بن عوف شامل ہوں اور باقی مخالفین کو قتل کر دیا جائے جو ان کے فیصلہ سے انحراف کریں۔
حضرت عبدالرحمن بن عوف کا طریقہ کار

حضرت عمرؓ کی تدفین کے بعد فوراً کارروائی شروع ہو گئی حضرت طلحہ موجود نہیں تھے۔ باقی حضرات کو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے جو ایک اعتبار سے کیسی کے کوئی نہ تھے جمع کیا۔ اس موقع پر جو اختلافی تقریر انہوں نے کی وہ آپ زہر سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا:

لوگو! میری ایک رائے ہے تم اسے سنو۔ اس پر غور کر کے جواب دو تم یہ بات سمجھو کہ ٹھنڈے پانی کا ایک گھونٹ ناخوشگوار شیرینا شربت سے بہتر ہے۔ تم لوگ رہنا اور پیشوا ہو۔ عوام تمہارے ذریعہ سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور تمہارے علمی مرکزوں میں آتے ہیں تم باہمی اختلاف سے اپنی حالت خراب نہ کرو اور اپنے دشمن کے مقابلے میں اپنی تلواریں نیام میں نہ رکھو دشمن سے مقابلہ کرنے کے بجائے باہمی اختلاف میں نہ پڑ جاؤ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ ہر قوم و ملت کا ایک سربراہ ہوتا ہے جس کے حکم کو سب تسلیم کرتے ہیں اور اس کے منہ کھلنے پر کسی کام سے باز آجاتے ہیں۔ تم اپنی جماعت میں سے کسی ایک کو اپنا سربراہ بناؤ، تم امن و امان میں رہو گے اور اندھا دھند فتنہ و فساد اور حیران کن گمراہی سے محفوظ رہو گے۔ بد نظمی اور انتشار سے بچے رہو گے۔ تم ذاتی اور نفسانی خواہشات سے پرہیز کرو اور نا انصافی اور تفرق اندازی کی زبان نہ استعمال کرو کیوں کہ زبان کا زخم تلوار کے زخم سے زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ تم رواداری اور کشادہ دلی سے گفت و شنید کرو اور باہمی رضامندی سے کوئی فیصلہ کر دے کسی فتنہ پرداز کی باتوں سے متاثر نہ ہو جاؤ اور کسی مجلس رہ نما کی مخالفت

دکر د میں اپنی اس گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔ اور اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے مغفرت کا لالچ ہے؟
 اس پر مخز اور دل نشیں تقریر کے جواب میں حضرت عثمانؓ نے فرمایا اور سعدؓ نے اپنی مکمل
 حمایت کا یقین دلایا۔ البتہ طبری کے الفاظ میں حضرت علیؓ نے اپنا رد عمل ذرا محتاط "الفاظ میں نظر کیا۔"
 اب حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے یہ تجویز پیش کی تم میں سے کون اس بات کے لیے رضوا
 رغبت تیار ہے کہ اپنے حق (یا امید داری) سے دست بردار ہو جائے اور پھر اس کو یہ حق حاصل
 ہو جائے کہ جسے وہ مناسب سمجھے خلیفہ بناوے۔
 یہ ایک لاجواب تجویز تھی۔ اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے سے اندازہ ہو گا کہ اس
 میں کتنی عمیق حکمتیں تھیں۔

اس بات کو ذہن میں رکھئے کہ اس وقت خلافت کے پانچ امیدوار تھے۔ حضرت عثمانؓ،
 علیؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ان میں سے کوئی بھی
 خلیفہ منتخب ہو سکتا تھا اور ہر ایک کا ایک نہ ایک حامی مجلس میں موجود تھا۔ اب ان میں سے ہر ایک
 کو یہ موقع مل رہا تھا کہ وہ خود اپنی امید داری سے دست بردار ہو کر اپنے کسی بھی آدمی کو منتخب کر سکتا
 تھا۔ مثلاً حضرت عثمانؓ خود دست بردار ہو کر اپنے اعتماد کے کسی بھی قریبی فرد کو خلافت سونپ
 سکتے تھے وہ چاہے عبدالرحمن بن عوفؓ ہوں یا کوئی اور۔ اسی طرح حضرت زبیرؓ آگے بڑھ کر حضرت
 علیؓ کو خلافت سونپ سکتے تھے یا حضرت علیؓ چاہتے تو حضرت زبیرؓ کو بڑی آسانی سے خلیفہ بنا سکتے
 تھے۔ یہی وہ حضرت سعدؓ کو بھی مل سکتا تھا۔ اس طرح خلافت اپنے خاندان میں آسکتی تھی اور ہونے
 والا خلیفہ اس کا ضرور خیال رکھتا جو اس قربانی کو پیش کرتا۔ لیکن اس "سنہری موقع" سے فائدہ اٹھانے
 کے لئے کوئی تیار نہ ہوا۔ سب خاموش رہے۔ کیوں؟

وجہ ظاہر ہے۔ خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنا یقیناً ایک بہت مشکل کام تھا لیکن کسی کو خلیفہ

۳۰۲ء طبری — جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہم خلافت کے مستحق ہیں، یہ حق ہیں نہ دیا
 گیا تو ہم یہاں سے کہیں دو چلے جائیں گے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے کوئی معاہدہ کیا ہوتا تو
 ہم اسے ہر حال میں نافذ کرتے، آپ نے خبردار کیا کہ ہو سکتا ہے فقیر قب حالات بگڑ جائیں اور لواریں بے نیام
 ہو جائیں۔ (طبری ۳۰۶) نہیں کہا جاسکتا ان الفاظ کا اسباب کہاں تک درست۔

بنانا اس سے کہیں زیادہ مشکل اور نازک معاملہ تھا کیونکہ:

(۱) اگر کوئی رشتہ یا تعلق کی بنا پر بے جا طرفداری سے کام لیتے ہوئے کسی کو منتخب کرتا تو اس کو وبال اسی کی گردن پر ہوتا۔ اس لئے ان بلند اور پاک سیرت والی شخصیات کے بارے میں جانب داری کا گمان تک نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) خود کو خلافت کی امیدواری سے الگ کر کے یوری نیک نیتی کے ساتھ کسی کو یہ منصب سپرد کیا جاتا تو بھی غلطی کا احتمال تھا اس لئے مستقبل کی ضمانت کوئی شخص نہیں لے سکتا تھا۔
اب داد دیجئے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو جنہوں نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے خود کو اس کے لئے پیش کر دیا۔

سب کو یقین ہو گیا کہ جب ایک شخص اتنی بڑی قربانی دے رہا ہے، اپنی مرضی سے خود کو خلافت سے محروم کر رہا ہے۔ تو وہ کسی دوسرے کو ناحق کیوں خلافت سپرد کرے گا؟ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے فرمایا: میں سب سے پہلے آپ کی اس کوشش میں آپ کی تائید کرتا ہوں کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ”جو اس سرزمین کا امین ہے وہ آسمان کا بھی امین ہے۔“ باقی لوگوں نے کہا ”ہم سب (آپ کو مختار بنانے پر) رضامند ہیں۔“

اور دنیا پر یہ بات بھی روشن ہو گئی کہ حضرت عبدالرحمنؓ نے بھی کسی کے ساتھ رعایت نہیں کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں حضرت علیؓ پر جنہوں نے حضرت عبدالرحمنؓ سے فرمایا: آپ مجھ سے بچتے عہد کریں کہ آپ حق و صداقت کو ترجیح دیں گے اور نفسانی خواہش کی پیروی نہیں کریں گے اور کسی رشتہ دار کے ساتھ رعایت نہیں کریں گے اور قوم کے ساتھ (خیر خواہی کرنے میں) کوتاہی نہیں کریں گے۔“

حضرت عبدالرحمنؓ نے فرمایا ”تم سب بھی بچتے عہد کرو کہ تم سب مخالف اور تبدیل ہونے والے کے مقابلے میں میرا ساتھ دو گے اور تمہارے لئے جس شخص کا (خلیفہ کی حیثیت سے) میں انتخاب کروں گا تم اس کو تسلیم کر دو گے میں بھی اللہ سے عہد مستحکم کرتا ہوں کہ میں کسی رشتہ دار سے اس کی رشتہ داری کی وجہ سے رعایت نہیں کروں گا اور یہ مسلمانوں کی خیر خواہی کرنے میں کوتاہی کروں گا۔“

اگر حضرت علیؑ کو حضرت عبدالرحمنؓ کی امانت، دیانت اور خلوص پر یقین نہ ہوتا اور بال برابر بھی شک ہوتا تو ان کے ساتھ تعاون اور ان کی حمایت کا پختہ عہد نہ فرماتے۔

طریقہ انتخاب

حضرت عبدالرحمنؓ کی دست برداری کے بعد اب میدان میں کل چار امیدوار رہ گئے ان میں حضرت عبدالرحمنؓ کو یقین کرنا تھا کہ کس کو اکثریت کی حمایت حاصل ہے یا یوں کہہ لیجئے کس کے حق میں ووٹ زیادہ ہیں۔

اس کے لئے انھوں نے تنہائی میں حضرت علیؑ سے کہا کہ بلاشبہ اسلام کے لئے آپ کی بہت خدمات ہیں اور آپ خود کو سب سے زیادہ مستحق خلافت بھی سمجھتے ہیں، تاہم اگر آپ کو خلافت نہ ملے تو پھر آپ کس کو زیادہ حق دار سمجھتے ہیں۔ انھوں نے کہا حضرت عثمانؓ ملو۔

اسی سوال کا تنہائی میں حضرت عثمانؓ نے یہ جواب دیا کہ وہ حضرت علیؑ کو حق دار سمجھتے ہیں۔ جب یہی سوال حضرت زبیرؓ اور سعدؓ سے کیا گیا تو انھوں نے حضرت عثمانؓ کا نام لیا۔ اس روایت کی رو سے اب دو ٹوں کا شمار یوں کیا جاسکتا ہے کہ ہر ایک کا ایک ووٹ تو اپنے اپنے حق میں مان لیا جائے گا اس لئے اس کا شمار نہ کیا جائے۔ اب دوسرے نمبر کے ترجیحی ووٹ رہ گئے۔

حضرت علیؑ، حضرت زبیرؓ اور حضرت سعدؓ کے تین ترجیحی ووٹ حضرت عثمانؓ کے حق میں گئے اور صرف حضرت عثمانؓ کا ایک ووٹ حضرت علیؑ کے حق میں گیا۔

اس اعتبار سے مجلس شوریٰ کی اکثریت حضرت عثمانؓ کے حق میں تھی اور یہی عبدالرحمنؓ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے انھیں بھی اکثریت کے جگان پر فیصلہ کرنا تھا، اب بات واضح ہو چکی تھی۔ فرض کیجئے اگر وہ اپنا ووٹ حضرت علیؑ کے حق میں استعمال کر بھی لیتے تو حضرت علیؑ کے حق میں دو ووٹ اور عثمانؓ کے حق میں تین رہتے۔ یہاں تک کہ اگر حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی عبدالرحمن بن عوفؓ کا ساتھ دیتے ہوئے حضرت علیؑ کے حق میں ووٹ دے دیتے تو بھی دونوں کے ووٹ برابر ہو جاتے اور

لے اب بھی اگر کوئی بدباطن حضرت عبدالرحمنؓ کی نیک نیتی پر شبہ کرتا ہے تو کترار ہے وہ حضرت علیؑ سے زیادہ معاملہ ذہم نہیں ہو سکتا۔ ۲۹۵-۲۹۶

اس صورت میں فیصلہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اس کے بعد حضرت عبدالرحمن نے دائرہ کو ذرا وسیع کیا اور مجلس سے باہر لوگوں کی رائے معلوم کرنا چاہی چنانچہ طبری (۲۹۴) کا بیان ہے :

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ان راتوں میں گشت کرتے رہے۔ وہ صحابہ کرام اور ان سے پہلے سالاروں اور معزز افراد سے ملاقاتیں کرتے رہے جو اس وقت مدینہ منورہ میں موجود تھے اور ان سے (خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں) مشورہ کرتے رہے۔ وہ تنہائی میں جس کسی سے ملے اس نے یا تو حضرت عثمان (کے خلیفہ ہونے کی) تائید کی، یا حضرت علیؓ کے حق میں رائے دی۔ چنانچہ عبدالرحمنؓ نے خود حضرات علیؓ و عثمانؓ سے کہا کہ میں نے دوسرے لوگوں سے معلوم کیا تو انھوں نے تم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا نام نہیں پیش کیا۔ پھر مجمع کو خطاب کر کے بھی یہی بات دہرائی کہ تم ان دو میں سے ایک کے حامی نظر آتے ہو یعنی کچھ علیؓ کے کچھ عثمانؓ کے۔ لیکن اس تحقیق سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ مسلمانوں کی اکثریت حضرت عثمانؓ کو ترجیح دے رہی ہے۔

اپنے فیصلہ کا اعلان کرنے سے پہلے عبدالرحمن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ سے سوال کیا: ”اے علیؓ! کیا تم میرے سامنے کتاب اللہ، سنت نبویؐ اور حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کے طریقے پر چلنے کا عہد کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: ”نہیں۔ بلکہ میں اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق عمل کروں گا۔“ اسی سوال کے جواب میں حضرت عثمانؓ نے کہا: ”ہاں۔“

اس کے بعد مسجد نبویؐ میں عام مسلمین کا اجتماع ہوا۔ اس میں بھی حضرت عبدالرحمنؓ نے دونوں حضرات کے سامنے اس سوال کو دہرایا اور دونوں نے یہی جواب دیا۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمنؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور پھر سب نے بیعت کی۔ یہ تیسرا اور مقررہ بیعت کا آخری دن تھا۔ اسی دن طلحہؓ بھی آگے بڑھے اور لوگوں نے بیعت کر لی ہے تو انھوں نے بھی اختلاف نہیں کیا اور بیعت کر لی۔

اس طرح امت مسلمہ اختلافات، خانہ جنگی اور باہمی خوریزویوں سے بچ گئی۔

اس طریقہ کی جامعیت

اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا لیکن صحابہؓ پر یہ بات

۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰ ۳۱۱ھ طبری

بھی پوشیدہ نہیں تھی کہ آپ کا رجحان کس کی طرف تھا یوں تو اس سلسلہ میں بہت سی روایات نقل کی گئی ہیں لیکن بخاری کی یہ حدیث کہ: آپ عبداللہ بن ابوبکر کو بلا کر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا قرآن لکھوانا چاہتے تھے پھر آپ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ خداوند تعالیٰ اور اہل اسلام ابوبکر کے سوا کسی کو پسند نہ کریں گے۔ خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ پھر آخری ایام میں بہ اصرار صدیق اکبرؓ ہی کو امام بنایا۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اعتبار سے آپؐ اپنا جانشین مقرر بھی فرما دیا لیکن بالکل واضح طور پر نہیں۔ اس میں بے شمار حکمتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ اس وقت کے ماحول میں صدیق اکبرؓ افضل ترین صحابی تھے اور ان کی موجودگی میں کسی دوسرے کے انتخاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

دوسری بات یہ کہ آپ کو بذریعہ وحی اس کا علم حاصل تھا کہ کون آپ کا جانشین ہو گا یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ اگر آپ بالکل واضح الفاظ میں اپنا حلیف نامزد فرمادیتے تو پھر اختلاف رائے کے سنگین نتائج نکل سکتے تھے۔ نیز اپنا جانشین مقرر کرنا سنت بن جاتا جس کا غلط استعمال ہو سکتا تھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے وقت بھی صورت حال کچھ ایسی ہی تھی۔ اس وقت فاروق اعظمؓ کی شخصیت سب میں نمایاں تھی یہاں صدیق اکبرؓ کو مستقبل کے بارے میں یقینی علم نہیں تھا۔ امکان اس بات کا بھی تھا فاروق اعظمؓ کے بارے میں کچھ لوگ اختلاف کرتے، یا خود حضرت فاروقؓ اختلاف سے انکار کر کے الگ ہو جاتے اور پھر دنیا نے اسلام ایک بہترین شخص کی خدمات سے محروم ہو جاتی اس لئے فاروق اعظمؓ کو نامزد کر دینا مناسب اور ضروری سمجھا گیا۔

فاروق اعظمؓ کے زمانے میں حالات بدل گئے تھے۔ اگرچہ متعدد صحابہ موجود تھے جن میں خلافت کی اہلیت تھی لیکن اول تو فاروق اعظمؓ ساری ذمہ داری اپنے سر نہیں لینا چاہتے تھے۔ وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا، پھر بھی انھوں نے دونوں طریقوں کو جمع کر دیا۔ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں نامزد بھی نہیں کیا اور صدیق اکبرؓ کی اتباع کرتے ہوئے نامزد بھی کر دیا لیکن ایک فرد کو نہیں ایک مختصر جماعت کو۔ یہ صورت دونوں طریقوں کی جامع تھی۔ اس وقت کے حالات اس کا تقاضا کر رہے تھے۔ اس وقت ایک سے زیادہ ایسے اشخاص موجود تھے جن میں خلافت کی اہلیت تھی، اور جو ابی سیرت، تقویٰ اور خدمات کی بنا پر مسلمانوں کی حمایت حاصل کر سکتے تھے۔ اگر ان سب کو آزاد چھوڑ دیا جاتا کہ آپس میں جس طرح ہو سکے معاملے کر لیں تو اختلاف اور تقادم کا اندیشہ تھا۔ اس کا اندازہ اس

۱۔ ملاحظہ ہو، شبلی، سیرت ابنی، ج ۱، حاشیہ زیریں، ۱۷۶۔ اس معنون کی دیگر روایات حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ازالتہ الخفا میں جمع کر دی ہیں۔

لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم کی تدفین کو ابھی تین دن نہیں گزرے ہیں، خلیفہ کے انتخاب کا معاملہ مجلس شوریٰ کے سپرد ہے، کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں، عبدالرحمن بن عوف اپنا فیصلہ سنانے کے لئے موجود ہیں اور ابھی اتنا ہی کہہ پائے ہیں کہ:-

”اے لوگو! باہر آئے ہوئے لوگ اپنے شہروں کی طرف واپس ہونا چاہتے ہیں مگر وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ان کا امیر (خلیفہ) کون ہوگا؟“ — کہ سعید بن زید بولے ”ہم آپ کو اس کا حق دار سمجھتے ہیں“ عبدالرحمن بن عوف نے کہا: تم کسی دوسرے کا نام پیش کرو، حضرت عائشہ نے حضرت علی کا نام پیش کیا، مقدادؓ نے ان کی تائید کی۔ ابن ابی سرح نے حضرت عثمانؓ کا نام تجویز کیا، عبداللہ بن ابی ریح نے ان کی تائید کی اور پھر ان حامیوں میں کرا اور تلخ کلامی ہونے لگی، بنی ہاشم اور بنی امیہ آپس میں الجھنے لگے۔ قریب تھا کہ حالات بگڑ جانے کے اتنے میں سعد بن ابی وقاصؓ نے کہا:

”اے عبدالرحمن! آپ جلد فیصلہ کریں اس سے پہلے کہ لوگ فتنہ و فساد میں مبتلا ہوں۔“ انھوں نے کہا: ”میں نے خوب غور و فکر کیا ہے اور لوگوں سے شورہ بھی کر لیا ہے۔ اس لئے تم لوگ دخل نہ دو“ اور پھر نام کا اعلان کر کے اس فتنہ کو دبا دیا۔

کیا یہ طریقہ انتخاب جمہوریت کے منافی ہے؟

جمہوریت میں حزب مخالف کا وجود نہ صرف یہ کہ تسلیم کیا جاتا ہے بلکہ اس کے وجود کو جمہوریت کی روح تصور کیا جاتا ہے لیکن فاروق اعظم کا رویہ اس معاملہ میں سخت نظر آتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اسلام جمہوریت کا علمبردار ہے تو کیا یہ رویہ جمہوریت کے منافی نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک اختلاف رائے کا تعلق ہے اسلام نے کبھی اس کو ناجائز نہیں کہا بشرطیکہ نیک نیتی کے ساتھ ہو، تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی اختلاف رائے ہوتا رہا اور اس پر کبھی پابندی نہیں لگائی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ اختلاف رائے کو بنیاد بنا کر امت مسلمہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں اور اس کے لیڈروں کے درمیان اقتدار کی کشمکش برپا ہو جائے۔

یہی وہ مذموم اختلاف ہے جس کی حضرت فاروق اعظم نے اجازت نہیں دی، اور اس رجحان کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔